فوجی حکومت کے ثمرات

مصر کے موجودہ حالات کا جائزہ

از سید میر غنی سوڈانی

یہ مضمون سوڈان کی معروف شخصیت سید میر غنی عبدالحمید کا لکھا ہوا ہے۔ اور مکہ کے روزنامہ "الندوہ" میں (۳۱ دسمبر ۱۹۶۱ء کو) شائع ہوا ہے۔ سید میر غنی سوڈان کی سب سے با اثر مذہبی جماعت "الختمیہ" کے پیشوا ہیں۔ سیاسی طور پر سید موصوف پہلے سوڈان اور مصر کے ادغام کے حامی تھے۔ اور "اشقہ" پارٹی کے پشت پناہ تھے۔ جو وادی نیل کے اتحاد کی علمبردار تھی۔ اس کے مقابلے میں سوڈان کی دوسری سیاسی جماعتیں سوڈان کی خود مختاری اور استقلال کی حامی تھیں۔ اور سوڈان کی دوسری بڑی مذہبی جماعت "طائفۃ الانصار" (جس کے موجودہ رہنما صدیق المہدی ہیں) بھی ان کی ہمنوا تھی۔ مگر اب مصر کے حالات و تجربات کے بعد سید میر غنی اپنے موقف کو تبدیل کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں سوڈان میں جمال عبدالناصر کا سب سے پُرجوش حامی بھی ان کا مخالف ہو گیا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

سید موصوف رجب ۱۳۸۱ھ کو عمرہ و زیارت کے لیے بلادِ مقدسہ تشریف لائے تھے زیر نظر مضمون اسی سفر کے دوران میں انہوں نے تحریر کیا ہے مضمون کے آغاز میں لکھتے ہیں کہ "مصر کے حالات پر سوڈان کے لوگ بڑی تشویش میں مبتلا ہیں اور ہر وقت انکی زبانوں پر پڑوسی ملک کا چرچا رہتا ہے۔ یہاں ارضِ مقدسہ میں مجھے متعدد مصری زائرین اور یہاں کے مقیم مصری باشندوں سے ملنے کا موقع ملا ہے۔ ان لوگوں کی زبان سے مصر

کے جو حالات سننے میں آئے ہیں، نیز مصری ریڈیو اور مصری اخبارات سے وہاں کی جو خبریں معلوم ہوتی رہتی ہیں، انہیں سن کر کوئی عرب یا غیر عرب مسلمان ایسا نہیں ہوگا جو مصر اور اہلِ مصر پر خون کے آنسو روئے بغیر رہ سکے۔ خ۔ح)

مجھے یاد ہے کہ جمال عبدالناصر نے جب ۲۳ جولائی ۱۹۶۱ء کی شام کو قاہرہ ریڈیو سے تقریر کرتے ہوئے اپنی "سوشل اصلاحات" کا اعلان کیا تھا تو اس تقریر میں کہا تھا: "اگر ہم سے یہ دریافت کیا جائے کہ سوشل احکام و اقدامات کی آخری حد کیا ہوگی؟ تو ہمارا جواب یہ ہے کہ ہمیں ان کی کوئی حد معلوم نہیں ہے" جمال عبدالناصر کے ان الفاظ سے ہمارا ماتھا اُسی وقت ٹھنکا اور ہمیں اندیشہ ہوگیا کہ اب یہ مسکین مصری قوم بے پناہ آلام و مصائب کے نرغے میں آنے والی ہے۔ چنانچہ بعد کے واقعات نے ہماری پیشنگوئی کی تصدیق کردی اور وہ تمام قیاسات بھی درست ثابت ہونے لگے جو دوسرے لوگوں نے فوجی انقلاب کے اوائل یعنی ۱۹۵۲ء ہی میں ظاہر کردیے تھے۔ اور بالآخر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ یہ لوگ اس معاملہ میں مجھ سے زیادہ باریک بین تھے، انقلاب کے رُخ کو مجھ سے بہتر سمجھنے والے تھے اور میری طرح ان نمائشی کاموں سے دھوکا کھانے والے نہیں تھے جو شروع شروع میں انقلاب برپا کرنے والوں نے سرانجام دیئے[1] تھے۔

فوجی حکام کے ابتدائی کارنامے انقلاب مصر کے ابتدائی ایام میں مَیں مصر میں تھا۔ مجھے یاد ہے کہ انقلابی جماعت کے ابتدائی کارنامے بڑے قابلِ تعریف تھے۔ ان دنوں انقلابی حکومت نے پہلا حکم یہ جاری کیا تھا کہ تمام سرکاری دفاتر اور تمام غیر سرکاری اداروں سے شاہ فاروق کی تصویر اُتار دی جائے اور اس کے بجائے بڑے بڑے چوکھٹوں میں "اللہ" کا لفظ کندہ کرکے دیواروں پر آویزاں کیا جائے۔ پھر یہ حکم جاری ہوا کہ کسی ادارے کی طرف سے، خواہ وہ سرکاری ہو یا غیر سرکاری، کوئی

---

[1] سید میر غنی کا یہ اشارہ اپنے اس موقف کی طرف ہے جو انہوں نے برسوں تک سوڈان اور مصر کے اتحاد کے حق میں اختیار کیے رکھا۔ (م)

کتاب ایسی نہ شائع کی جائے جس کا آغاز "بسم اللہ الرحمان الرحیم" سے نہ کیا گیا ہو۔ اور جس میں عیسوی تاریخ سے پہلے ہجری تاریخ نہ لکھی گئی ہو۔ انقلابی کونسل کے بعض ارکان ایسے بھی تھے جو جمعہ کا خطبہ دیتے تھے اور ہزاروں کے مجمع کی امامت کرتے تھے۔ انور سادات اور حسین شافعی انہی لوگوں میں سے تھے۔ اور جب اخوان المسلمون کے رہنما امام حسن البنّاؒ کا یوم شہادت آیا تو تمام کرنلوں اور جرنلوں کی زبانیں اور قلم امام موصوف کی مدح و ستائش کے لیے وقف ہو گئے۔ حکومت کی طرف سے اُن لوگوں کے لیے عام معافی کا اعلان ہو گیا، جن کو سابقہ حکومتوں نے انتقامی جذبات کے تحت جیلوں میں ڈال رکھا تھا۔

انقلابی حکومت اصل روپ میں اس کے بعد میں اور میرے دوسرے ساتھی مصر کے حالات کا بغور جائزہ لیتے رہے۔ چنانچہ ہمارے دیکھتے دیکھتے دو متضاد رجحانات اُبھر آئے جو حکومت کے متضاد اقدامات میں صاف محسوس ہونے لگے۔ مثلاً ایک طرف صدر (جنرل محمد نجیب) اور ان کے رفقاء بڑے پُرشکوہ جلوس کی معیت میں جمعہ کی نماز ادا کرتے ہیں اور دوسری طرف شرعی عدالتوں کی تنسیخ کا آرڈیننس جاری ہوتا ہے۔ پھر کچھ مدت کے بعد انقلابی حکومت اور اخوان المسلمون کے مابین اختلافات جنم لیتے ہیں جو بالآخر اخوان کی عبرت ناک سزا پر منتج ہوتے ہیں۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ جس "انقلاب" کا یہ فخریہ دعویٰ تھا کہ وہ "پُرامن" اور "غیر خونی" ہے، وہی انقلاب مسلمانوں کا خون اپنے لیے مُباح کر لیتا ہے۔ اور اس کی ایک فوجی عدالت بے دریغ اخوان کے چھ رہنماؤں کو تختۂ دار پر کھینچ دینے کا فیصلہ کر دیتی ہے۔ اور عدالتی کارروائی کے دوران عدالت کا صدر جمال سالم[1] ایسے نازیبا الفاظ زبان سے نکالتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب کے ساتھ صریح گستاخی بلکہ نہایت رکیک تمسخر پر مبنی ہوتے ہیں۔ انقلابی کونسل جمال عبدالناصر کی سربراہی میں سزائے موت کے فیصلے کی توثیق کر دیتی ہے۔ اور مسلمانوں

---

[1] جمال سالم اور اس کا بھائی صلاح سالم دونوں اخوان کو سزائیں دینے میں پیش پیش تھے۔ کرنل ناصر نے جمال سالم کو کچھ عرصہ کے بعد حکومت سے الگ کر دیا۔ اور صلاح سالم کو بھی وزارتِ ارشاد سے اُٹھا کر الجمہوریہ اخبار کی سرپرستی دے دی گئی۔ اب چند روز ہوئے اخبارات میں یہ خبر آچکی ہے کہ صلاح سالم کا انتقال ہو گیا ہے۔ اِنَّ اللہَ یُمھِلُ وَلَا یُھمِل (خدا کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے)

کے خون بہا دینے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتی۔ حالانکہ اس کونسل کے ارکان مسلمانوں کی نمازوں کی امامت کرتے رہے ہیں اور خطبات جمعہ میں "قال اللہ" اور "قال الرسول" سے کم بات نہیں کرتے تھے۔

یہی جمال سالم جو اپنے چھ دینی اور وطنی بھائیوں کو پھانسی پر لٹکاتا ہے تین سال کے بعد ارضِ مقدس کا سفر کرتا ہے۔ حج اور عمرہ کرتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارکہ کی زیارت کرتا ہے۔ اور بالآخر اس کے بارے میں ہمیں آخری خبر یہ ملتی ہے کہ وہ بڑا زاہد و عابد اور شب بیدار ہو گیا ہے۔ جمال سالم سے پہلے خود صدر ناصر بھی بلادِ مقدسہ کا رُخ کرتا ہے۔ بیت اللہ کا طواف کرتا ہے۔ صفا و مروہ کے مابین سعی کرتا ہے۔ اور مسجد حرام اور مسجد نبوی میں رو رو کر دعائیں کرتا ہے[۱]۔

خدا کی ناشکری جب ۱۹۵۶ء میں برطانیہ، فرانس اور اسرائیل نے مل کر نہر سویز پر حملہ کیا تھا تو حملہ کی خبر سنتے ہی جمال عبدالناصر کو خدا یاد آیا۔ اور ازہر کی جامع مسجد میں آ کر فوراً بارگاہِ خداوندی میں سجدہ ریز ہوا، اور اس بلا کو رد کرنے کے لیے اللہ سے گریہ وزاری کی۔ لوگوں نے بھی اس کے ساتھ مل کر دُعائیں کیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دُعاؤں کو قبول کیا اور حملہ آوروں کو شکست کھانا پڑی۔ یہ اللہ کا بڑا کرم تھا۔ خود اللہ کا ارشاد ہے کہ "جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار کو سنتا ہوں"۔

بے شک جمال عبدالناصر نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا ہو گا کہ:

لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم	اگر تم شکر ادا کرو گے تو مزید دوں گا اور اگر تم نے ناشکری کی
ان عذابی لشدید۔	تو میرا عذاب بھی بڑا سخت ہے۔

کیا صدر ناصر نے شکر کا مسلک اختیار کیا ہے کہ اللہ اس پر مزید عنایات کرتا؟ کیا اللہ تعالیٰ کے شکر کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ کے احکام کو منسوخ کر دیا جائے اور محکوم رعایا کے رزق کی راشن بندی کر دی جائے؟ یہ کام کسی ارضی حکمران کے شایانِ شان نہیں ہے۔ اور نہ کسی آسمانی مذہب نے اس کی اجازت دی ہے۔ بلکہ بُت پرست مذاہب بھی اس کے قائل نہیں ہیں۔ یہ صرف ملحد اور خدا کی باغی حکومتوں کی سنّتِ سیئہ ہے۔

---

[۱] اسی طرح یہ بھی کیا کم افسوسناک بات ہے کہ پہلے روضۂ نبوی پر جا کر عشقِ رسول کے نام پر زار و قطار رویا جائے اور اس کے فوراً بعد انڈونیشیا پہنچ کر نوجوان لڑکیوں کے بالی رقص سے سفر کی تھکاوٹ دور کی جائے۔ اس سے بڑھ کر خدا اور اس کے رسول کے ساتھ کیا مذاق ہو گا۔ العیاذ باللہ۔

اہلِ دین کی تضحیک آسمانی احکام کو منسوخ کرنے والا قانون یعنی قانون تحدید ملکیت جس روز سے جاری کیا گیا ہے اُس روز سے علمائے دین کی تضحیک و توہین کا دروازہ کھُل گیا ہے چنانچہ ۲۳ جولائی ۱۹۶۱ء کو صدر ناصر نے اپنے اشتراکی قوانین کا اعلان کرنے کے بعد جو تقریر کی ہے اُس میں علمائے دین کی خوب خبر لی ہے۔ اور نصیحت کی ہے کہ ان قوانین کے خلاف انہیں کسی قسم کا شرعی فتویٰ صادر کرنے کا حق نہیں ہے۔ بلکہ ایسا فتویٰ دینے والوں کے بارے میں پیشگی یہ اطلاع دی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو جاگیردارو، رجعت پسندوں، استعماری ایجنٹوں، اور فلاں اور فلاں کے دسترخوانوں پر جاکر مرغ اُڑانے کے عادی ہیں۔

علماء پر جبر و تشدد شام کے مفتی اعظم شیخ ابو الیسر عابدین صدر ناصر کے "انقلابی قوانین" ـــــ یا "اشتراکی قوانین" ـــــ کے بارے میں کلمۂ حق کہنے کی پاداش میں اپنے منصب سے برطرف کر دیے گئے اور انہیں جیل میں ڈال دیا گیا۔ مصری علماء کی معتدبہ تعداد کا بھی یہی حشر ہو چکا ہے۔ اور بعض علماء کو یا زیادہ صحیح لفظوں میں چند کمزور اور معمولی مولویوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ یہ فتویٰ دیں کہ مالداروں کے قبضہ سے ان کی دولت کو قومی ملکیت یا زرعی اصلاحات کے نام سے چھین لینا عین اسلام ہے۔ یہ بیچارہ گروہ سر پر تلوار لٹکتی دیکھ کر مجبور ہو گیا کہ حکمِ حاکم کو بجا لائے، دین میں تحریف کرے، رسول پر دروغ گوئی کرے اور خاص طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو افترا پردازی کا نشانہ بنائے۔

مصری قوم کا شدید ابتلاء شام تو "سوشلزم" کی آزمائش سے جان بچا گیا۔ اب غیظ و غضب کے تمام پہاڑ صرف مصریوں پر ٹوٹ رہے ہیں۔ جب حکومت کا یہ فرمان جاری ہوا کہ ہر وہ شخص جو مالدار ہے یا مالداروں جیسا ہے چور ہے۔ تو اس فرمان کے صادر ہوتے ہی بڑے بڑے لوگوں کی جائدادوں پر قبضہ کر لیا گیا اور انہیں جیل خانہ پہنچا دیا گیا۔ اس سلسلے میں عجیب خبر یہ سُنی ہے کہ سراج الدین اور ان کے ساتھیوں کو بھی دوبارہ جیل بھیج دیا گیا ہے۔ حالانکہ ایک سال قبل انہیں صدر کی عام معافی کے تحت رہا کیا گیا تھا۔ اور اُن کے خلاف جو احکام جاری کیے گئے تھے اُنہیں واپس لے لیا گیا تھا۔ اب یہ بات سمجھ سے بالا ہے کہ جس حکم کو خود صدر منسوخ کر دیتا ہے اُسے پھر کیوں نافذ کر دیا جاتا ہے۔

سوشل بائیکاٹ کی مہم اب حال ہی میں "سوشل بائیکاٹ" کا نظریہ ایجاد کیا گیا ہے۔ اس نظریے

کی رُو سے حکومت جن لوگوں کو "دشمن قوم" قرار دیتی ہے انہیں نہ صرف ان کی جائدادوں اور املاک سے محروم کردیا جاتا ہے بلکہ اُن سے ہر طرح کی اجتماعی سرگرمیوں میں مشارکت کا حق چھین لیا جاتا ہے۔ اس مہم کی زد میں جو لوگ آچکے ہیں اُن میں بڑے بڑے جج، وکلاء، ڈاکٹر اور وہ لوگ جو اسلام اور عربوں کی قابلِ تعریف خدمات سرانجام دے چکے ہیں شامل ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر شخص صاحبِ اہل و عیال ہے، اس کے اعزّا و اقارب ہیں، دوست اور ہمسائے ہیں۔ کیا ان لوگوں کو رشتہ داروں سے اور عام ملکی معاشرے سے کاٹ پھینکنا درست ہے؟ کیا اس طرح سے صلہ رحمی کی بنیادیں نہیں منہدم ہونگی اور لوگوں کے اندر باہمی مودّت و رحمت کے جذبات نہیں محو ہوں گے؟

املاک کی ضبطی میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ "قانون ضبطیٔ املاک" جس نے تمام شہری جائدادوں کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اس کی کیا حقیقت ہے؟ اور شہری املاک کو ضبط کرنے والے کون لوگ ہیں؟ کیا یہ ضبطی مستقل ہے یا عارضی؟ اگر عارضی ہے تو کتنی مدت تک کے لئے ہے؟ ضبطیٔ املاک کے احکام سے مصر صرف پچھلی دو عالمی جنگوں، جنگِ فلسطین اور مصر پر سہ طاقتی حملہ کے دوران روشناس ہوا ہے۔ لیکن اس وقت ان احکام کا اطلاق بھی صرف دشمن عناصر (یہودیوں۔ فرانسیسیوں اور انگریزوں) کے اموال تک محدود ہوتا تھا۔ اور جب جنگی حالات اور بحرانی کیفیات ختم ہوجاتی تھیں تو ضبط شدہ اموال اصل مالکوں کو واپس مل جاتے تھے۔ اور وہ بھی اس انداز کے ساتھ کہ دشمن ملکوں کے نمایندوں کی وساطت سے ضبط شدہ اموال کا پائی پائی حساب کیا جاتا تھا۔ لیکن اب جن جائیدادوں پر "ضبطی املاک" کا قانون نافذ کیا گیا ہے یہ باشندگانِ ملک کی جائیدادیں ہیں۔ ان کو غیر معین مدت تک ضبط کرنے کی کیا وجہ ہے؟ کیا اصل مقصد ان کی کامل ضبطی تو نہیں ہے؟ یہی اعتراض املاک کی نیشنلائزیشن پر اور ناروا طور پر زرعی املاک کی تحدید پر وارد ہوتا ہے۔

غیر ملکی سرمائے پر دست درازیاں صدر جمال عبدالناصر نے اپنے واضح بیانات میں اور بڑے بڑے عالمی جرائد کے نمائندوں کے سامنے اپنی گفتگوؤں میں بارہا یہ اعلان کیا تھا کہ مصر غیر ملکی سرمائے کا خیر مقدم کرے گا اور اس کی پوری حفاظت کرے گا۔ چنانچہ غیر ملکی سرمایہ داروں نے صدر ناصر کے

قول پر اعتماد کرتے ہوئے ہزاروں ملین روپیہ عمارتوں، ٹریڈ کمپنیوں اور صنعتی اسکیموں کی صورت میں مصر میں جھونک دیا۔ کیا صدر ناصر کی یہ یقین دہانیاں غیر ملکی سرمائے کو ہڑپ کرنے کے لئے محض ایک فریب تھیں "سوشل اصلاحات" سے متعلق حالیہ قوانین سے صدر ناصر کی اسی فریب کاری کا ثبوت ملتا ہے ان ظالمانہ قوانین میں سے ایک "قانون متزاید محصول" (Rate of taxation progressive) ہے۔ اس قانون نے بعض مالکانِ مکانات کی آمدنی چالیس ہزار پونڈ اور ایک لاکھ پونڈ سالانہ سے گھٹا کر پانچ ہزار پونڈ تک گرادی ہے۔ اور ان پانچ ہزار پاؤنڈ کے تحفظ کی بھی کوئی ضمانت باقی نہیں رہی ہے۔

مصر کے نئے مفتیانِ کرام | یہ غیر شرعی قوانین ازھر کے وجود سے کس طرح ہم آہنگ ہوسکتے ہیں۔ ایک طرف یہ قوانین نافذ کئے جا رہے ہیں جو اسلامی زندگی کا خاتمہ کر رہے ہیں اور دوسری طرف ازھر سے ہر سال پانچ ہزار کے قریب علماء نکل رہے ہیں جن کو امریکہ اور یورپ اور دوسرے مسلمان و غیر مسلم ممالک میں تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا جا رہا ہے۔ یہ علماء وہاں جا کر کس اسلام کی تبلیغ کرینگے؟ کیا اُس اسلام کی تبلیغ کرینگے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں یا اُس اسلام کی تبلیغ کرینگے جس کی تشریح و تلقین مصطفیٰ امین، علی امین، احسان عبدالقدوس، احمد بہاؤالدین اور عبدالرحمان شرقاوی[۵۱] کے مقالات و مضامین کر رہے ہیں۔ اور فرید اطرش، شادیہ اور عبدالحلیم حافظ[۵۲] کے نغمے کر رہے ہیں؟

رقص و سرود کی جبری تربیت | گرلز اسکولوں میں مسلمان بچیوں کو، جو آیندہ چل کر مائیں بننے والی ہیں، رقص و سرود کی جبراً تعلیم دی جا رہی ہے۔ اس تعلیم کی موجودگی میں ان اسکولوں میں مذہب کی جو کچھ برائے نام تعلیم رکھی ہوئی ہے اس کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے۔ اور بچیوں کے کردار پر اس کا کیا اثر پڑ سکتا ہے؟ حکومت نے اشتراکیت کو بطور عقیدہ تسلیم کر لیا ہے اور اب مصری قوم پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ وہ اس عقیدہ پر خود بھی ایمان لائے اور دوسرے عرب ممالک میں بھی اس کو فروغ دے۔ تعلیم کے تمام مدارج میں اشتراکیت کی تدریس

---

۵۱ مصر کے اباحیت پسند ادیب اور ایڈیٹر۔ (م)

۵۲ مصر کے چوٹی کے فلمی ایکٹر اور ایکٹریس۔ آج کل مصر میں مستند افتاء انہی دونوں گروہوں کے ہاتھ میں ہے۔ (م)

کا فیصلہ کر دیا گیا ہے۔ اب ہم یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کیا ازہر اور دینی مدارس کے نظامِ تعلیم میں بھی اشتراکیت کو شامل کیا جائے گا یا نہیں؟

سوشلزم یا کمیونزم اگر ریاست خود ہی کاشتکار بن جائے، خود ہی صنعتکار ہو، خود ہی تاجر ہو، خود ہی درآمد کنندہ اور برآمد کنندہ ہو، خود ہی اسکول ماسٹر ہو، خود ہی ریڈیو اناؤنسر ہو، خود ہی شاعر ہو، خود ہی ڈانسر ہو اور خود ہی ایکٹر ہو۔ غرض سب کچھ خود ہی ہو۔ اور قوم ساری کی ساری اُس کی قلی اور مزدور ہو اور ہر فرد صرف اتنی اُجرت پر گزر اوقات کرنے پر مجبور ہو جو ایڈمنسٹریٹر یعنی فوج کا ایک جمعدار یا پولیس کا ایک کانسٹیبل مقرر کر دے تو اس نظام میں اور کمیونزم میں کتنا فرق باقی رہ جاتا ہے؟ کیا کمیونزم کا سیدھا سادا مفہوم یہ نہیں ہے کہ سرمایہ اور محنت کو کلیتہً ریاست کے ہاتھ میں دے دیا جائے۔ اور افراد کے اموال اور ملکیتوں پر حکومت کی اجارہ داری قائم کر دی جائے؟ کیا ایسے نظام کے اندر مسجدوں کا وجود محض یہ دھوکا دینے کے لئے نہیں ہے کہ یہاں مذہب کو آزادی حاصل ہے؟ چنانچہ روس اور دیگر کمیونسٹ ممالک میں بھی یہ حربہ اختیار کیا جاتا ہے۔ ان ممالک میں مسجدیں پائی جاتی ہیں۔ مگر ایک تو دوسروں کو غلط فہمی میں ڈالنے کے لئے، اور دوسرے ایک تاریخی یادگار کی حیثیت سے۔ مزید برآں یہ کہ روس سے ہر سال پندرہ بیس اشخاص حج کے لئے بلادِ مقدسہ کا سفر کرتے ہیں۔ مگر ہمیں معلوم ہے کہ ان میں اگر تمام نہ سہی تو اکثر جاسوسی کے فرائض انجام دینے کے لئے ہوتے ہیں۔

جاسوسی کا وسیع نظام اگر ریاست ازسرتاپا پولیس کے نظام میں تبدیل ہو جائے اور جاسوسی اور مخبری کا جال اس قدر وسیع پیمانے پر پھیلا دیا جائے کہ ایک شخص ہر وقت جاسوسی کے خوف میں مبتلا رہو۔ اُسے نہ بھائی پر اعتماد ہو، نہ باپ پر اور نہ کسی دوست پر بھروسہ ہو۔ اُسے ٹیکسی ڈرائیور، گھریلو ملازم، ہوٹل کے خادم حتیٰ کہ جوتوں کی پالش کرنے والے سے بھی جاسوسی کا خطرہ لاحق رہتا ہو تو ایسے نظامِ حکومت کو جمہوری کیسے کہا جا سکتا ہے؟ لیکن مصر میں عملاً یہی صورتِ حال پائی جاتی ہے۔

اس وقت مصر کا کوئی باشندہ کسی دوسرے ملک میں تجارت یا ملازمت یا اعزہ و احباب کی ملاقات یا محض سیر و تفریح کی غرض سے مصر سے باہر نہیں جا سکتا۔ اس بارے میں حکومت نے غیر معمولی پابندیاں

عائد کر رکھی ہیں۔ ان پابندیوں کے ساتھ شہری آزادی اور عوامی اقتدار اور انسانی حرمت اور عدل و مساوات کے بڑے بڑے دعاوی کیا حقیقت رکھتے ہیں۔ اور ایسی لاطائل باتوں کو کون احمق تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوگا؟

زرعی اصلاحات کا ڈھونگ مصری حکومت نے "زرعی اصلاحات" کے نام سے تمام زمینداروں کی زمینیں چھین کر اپنی تحویل میں لے لی ہیں۔ ان اصلاحات کے تحت پہلے ہر زمیندار کو دو سو ایکڑ تک زمین اپنے قبضہ میں رکھنے کی اجازت دی تھی۔ لیکن چند ماہ ہوئے یہ اجازت صرف ایک سو ایکڑ تک محدود کر دی گئی ہے۔ سلب شدہ زمینوں کا معاوضہ دینے کے لئے حکومت نے مالکانِ اراضی کو تمسکات (BONDS) دئے تھے جن کو "سرکاری کرنسی" کہا جاتا تھا۔ لیکن عملی طور پر حکومت نے مالکانِ اراضی کو ۱۹۵۲ء سے اب تک ان تمسکات پر ایک قرش تک نہیں دیا۔ بعض زمینداروں نے یہ تمسکات محکمۂ مالگزاری کو پیش کیے تھے۔ تاکہ ان کی بقیہ اراضی پر واجب الادا لگان ان سے وضع کر لی جائے۔ مگر محکمے نے انہیں رد کر دیا۔ اور ایک تحصیلدار صاحب نے ایک تمسک گیر سے کہا: "جائیے، ان سرکاری تمسکات کو بطور یادگار گھر میں محفوظ رکھیے۔" اگر ان تمسکات کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اور سرکاری ادارے بھی انہیں قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں تو کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں ہوتا کہ حکومت نے یہ ساری کارروائی زرعی اصلاحات کے بہانے سے دراصل لوگوں سے کلیتہً زمینیں سلب کرنے کے لیے کی ہے؟

الغرض اس طرح سینکڑوں سوالات سامنے آتے ہیں جن کا کوئی جواب حکومت کے پاس نہیں ہے۔ حکومت کی سوشلسٹ اصلاحات کا بھانڈا پھوٹ چکا ہے۔ اور ان اصلاحات کے پسِ پردہ جو عزائم کام کر رہے ہیں وہ بھی صاف کھل کر سامنے آ گئے ہیں۔ ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مصر پر رحم کرے اور اس مصری کو عقل کے ناخن دے جو تختِ فرعون پر براجمان ہے اور اپنے پیش رو کی طرح یہ کہہ رہا ہے کہ "الیس لی ملک مصر وھذہ الانہار تجری من تحتی"۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اسے راہِ راست نہ دکھائی تو یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ وہ اس کے ساتھ کیا برتاؤ کرنے والا ہے۔ وہ قادر اور عادل اور جبّار ہے۔ اُس کا ارشاد ہے: وسکنتم فی مساکن الذین ظلموا انفسھم، وتبیّن لکم کیف فعلنا بھم وضربنا لکم الامثال" (ابراہیم)